عرض مترجم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد

فاعوذباالله من الشیطان الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

محترم قاری السلام علیکم!

- میں کسی بھی زبان کے اسرار و رموز سے واقف نہیں ہوں، نہ پڑھنے لکھنے کا کوئی ذوق اور تجربہ رکھتا ہوں اور نہ ہی عربی زبان یا قرآنِ مجید کی کوئی شدھ بدھ رکھتا ہوں۔ تاہم ایک شدید خواہش کی شمع ہمیشہ سے دل میں روشن رکھی ہے اور وہ یہ کہ کاش میں قریش کے اُن قبیلوں میں پلا بڑھا ہوتا جن کی زبان میں قرآن اُترا ہے اور عربی کو اِس حد تک جانتا کہ اُس کی موسیقی تک سے لطف اندوز ہو سکتا تاکہ مجھے قرآن کی اتنی سمجھ ہوتی کہ مفہوم کے علاوہ اُسکی معجز بیانی کو بھی محسوس appreciate کر سکتا۔ ہمیشہ اِس بات پر کڑھتا رہا ہوں کہ میرا رب، میرا اللہ، میرا پالنہار میرے لئے جو ہدایات بھیج چکا ہے وہ میرے لئے نا قابل فہم کیوں ہیں؟ کیا وہ اتنی مشکل اور پیچیدہ ہیں کہ کوئی واقعی پیاسا بھی اُس سے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا؟ کیا (نعوذ باللہ) ممکن ہے کہ اللہ کو اپنی بات میری فہم تک نیچے لانے میں دشواری پیش آرہی ہو؟ قرآن تو خود یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ رہنما ہے۔ سمجھنے کے لئے آسان ہے، فرقان ہے، کسوٹی ہے، مگر میں تو جب بھی کسی تفسیر یا ترجمے کے سامنے بیٹھتا ہوں، میری کسی اُلجھن کا حل تو کیا مزید کنفیوز کر دیتا ہے۔ تو کیا نعوذ باللہ قرآن کا یہ دعویٰ درست نہیں اور اِس میں کوئی روشنی اور رہنمائی نہیں ہے یا پھر اِس روشنی کے سامنے کوئی روک ہے؟ کوئی ہے جو اِس روشنی کے آگے اِس طرح کھڑا ہوا ہے کہ یہ روشنی ہم تک پہنچنے نہیں دے رہا۔
- میرا گمان ہے کہ جس طرح توانائی صرف ایک ہے نہ فنا ہو سکتی ہے نہ تخلیق کی جا سکتی ہے اسی طرح وہ قوتیں جن کو ہم جذبات کے سہارے محسوس کرتے ہیں وہ بھی شاید توانائی کی طرح ایک ہی واحد قوت ہیں جو صرف شکلیں بدل بدل کر نفرت سے محبت اور خوشی سے لے کر اداسی تک کا روپ دھار لیتی ہے؛ یا پھر جس توانائی سے یہ پوری کائنات تخلیق ہوئی ہے یہ قوتیں بھی اُسی ہی توانائی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اگر بقول مولانا روم اِسے کشش کی قوت کہیں تو یہ وہی ہے جو کشش ثقل میں ہے، مقناطیس میں ہے، نفرت میں ہے، محبت میں ہے، خوشی میں ہے اور غم میں بھی یہی عمل پیرا ہے۔ دن اور رات کی طرح اگر نفرت نہ ہو تو محبت کا وجود ناممکن ہو جاتا ہے۔ قرآن سے نفرت ممکن نہیں اگر اِس سے محبت نہ ہو، اِس سے دشمنی ممکن نہیں اگر اِس سے دوستی نہ ہو۔ پس اِس کی راہ کی رکاوٹ بھی وہی بن سکتے ہیں جو اِس کی روشنی کے پھیلانے کے ذمہ دار ہیں اور اِس کی دوستی کے دعویدار ہیں؛ کسی اور کے لئے یہ ممکن ہی نہیں۔

بچپن سے ایک کہانی سنتا آیا ہوں؛ بڑا ہوا تو وہی کہانی مثنوی میں پڑھی کہ ایک گڈریا اللہ سے کہہ رہا تھا: اے اللہ! تو کہاں ہے، تیری خدمت کا طریقہ کیا ہے؛ کاش! تو مجھے مل جائے، تو میں تمہارے پاؤں دباؤں، تمہارے بالوں سے جوئیں نکالوں اور تمہیں دودھ پلاؤں۔ موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا، گڈریئے کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا؛ اللہ سے ملاقات ہوئی تو اللہ ناراض ہوا کہ میرے بندے کو خاموش کر دیا ــــــــ کہانی آپ سب کو یاد ہے، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ کہانی ہے یا واقعہ، جھوٹ ہے یا سچ۔ جو کچھ بھی ہو ایسے گستاخ گڈریئے کو کوئی موسیٰ ہی خاموش کر سکتا تھا (واضح رہے کہ کہانی کا مقصد گڈریئے کی ستائش قطعاً نہیں، اُس کا روکنا تو لازم ہے مگر منع کر کے نہیں بلکہ تھپکی دیتے ہوئے راہِ راست پر لا کر)۔ میں وہی گڈریا ہوں موسیٰ کے خوف سے قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لئے کہ نہ تو قرآن پڑھنے کے آداب سے واقف ہوں، نہ صرف و نحو سے اور نہ ہی اپنی ذاتی

زندگی میں پاکیزگی کی کوئی رمق پاتا ہوں (اُلجھنیں نہ سلجھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے)۔ شاید مخبرِ صادق، میرے مونس میرے غمخوار، میرے محمد ﷺ نے قرآن صرف اُن لوگوں کو پیش کیا تھا، جو منتخبِ روزگار اور ایمان والے تھے۔ پہلے ہی سے پاکیزہ ظاہر و باطن کے مالک متقی اور پرہیزگار؛ مگر نہیں! ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کو قرآن سنانے کا واقعہ تو مجھ ناخواندہ کو بھی معلوم ہے۔ اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں ہزاروں اکھڑ اور ناتراشیدہ دیہاتی عرب موجود تھے اور اُن سب کے سامنے آپؐ نے براہِ راست قرآن ہی پیش کیا تھا۔

- رمضان ۲۰۱۱ میں میں نے "قرآن کے پلوشے" پڑھا اور روشنی کے سامنے سے رکاوٹ ہٹ گئی۔ پہلی مرتبہ قرآن اپنے فہم کے قریب اور اپنے شب و روز (کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی) سے متعلق لگا؛ اللہ کی راہ کے ایک مجاہد کے قلم سے جو کم از کم اپنی تحریروں سے لگتا ہے کہ قرآن کی روشنی میں اپنی روزمرہ کی زندگی گذار رہا ہے۔ چونکہ مجھے نہیں پتہ کتنی تفاسیر ایسی موجود ہیں جو کسی واقعی برسرِ پیکار مجاہد کے قلم سے لکھی گئی ہیں اِس لئے میرے نزدیک یہ "قرآن کے پلوشے" کو ممتاز کرنے کی ایک اور وجہ بن گئی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی ممتاز نظر آنا چاہتا ہے۔ اُس جیسا کوئی نہ ہو، اُس جیسا بنگلہ کسی کا نہ ہو، اُس جیسی گاڑی کسی کے پاس نہ ہو مگر جب نظریئے کی بات آتی ہے تو چاہتا ہے؛ سب اُسی طرح سوچیں جس طرح وہ سوچتا ہے اور سب وہی محسوس کریں جو وہ محسوس کرتا ہے۔ یہ جبلت ہے؛ تاہم محمود اُس وقت ہو جائے گی جب اسی جبلت کو شعوری طور پر سنوار کر اِس کے نامحمود حصے حذف کر دیے جائیں۔ اِسی جبلت کے تحت شدت کے ساتھ یہ خواہش اُبھری کہ میرے سب دوستوں کو اور جاننے والوں کو "قرآن کے پلوشے" پڑھنے کو ملے۔ مشکل یہ تھی کہ اپنے قریب ترین ساتھیوں میں سے بھی صرف میں ہی اِس کی پشتو پڑھ سکتا تھا۔ دوسری طرف سنواری گئی جبلت کا تقاضا یہ ہوا کہ اِس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جائے تا کہ سب لوگوں کی پہنچ میں آجائے؛ اِس سے آگے بڑھ کر فائدے کی توفیق تو ویسے بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خواہش کا دوسرا حصہ پورا کرنا تو میرے لئے ممکن نہیں تھا، پہلا بھی ناممکن ہی کے قریب تھا اور ہے مگر بہر حال دوسرا راستہ بھی پہلے ہی سے گزر کر جاتا ہے، وہ یوں کہ اُردو میں تو کوشش کر لی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دستیاب ہو جائے اور اِس کے انگریزی میں ترجمہ کئے جانے کے امکانات بڑھ جائیں۔

یہ ناممکن ممکن یوں ہونے لگا کہ محمد اسلام علوی صاحب کو بزبانِ اُردو اس کے کچھ حصے پڑھوا دیئے۔ اُس سے آگے ترجمے کا کام تو بظاہر میں نے مگر در حقیقت اسلام صاحب نے کیا۔

- اسلام صاحب پشتو نہیں جانتے مگر قرآن کو سمجھتے ہیں اور لسانیات کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ اُن کو سنایا تو اصرار کرنے لگے کہ "ترجمہ ضرور ہونا چاہیے" اور یہ کہ یہ ایک آفاقی تفسیر ہے، اگلی صدی میں کام آئے گی۔ تاریخ میں بہت کم ایسی شخصیتیں ہوئی ہیں جو بیک وقت صاحب قلم، صاحبِ سیف اور صاحبِ لسان ہوئی ہیں۔ وہ اِصرار کرتے گئے، مدد کرتے گئے، قدم قدم پر اصلاح بھی کرتے گئے اور اُردو لکھنے کی ہمت بھی دلاتے رہے (کہ پٹھانوں کی اپنی اردو ہے تذکیر و تانیث کی غلطیاں پڑھنے والوں کا قصور ہے)۔

- وہ بتاتے رہے کہ حکمتیار صاحب کی تفسیر ' تفسیرِ قرآن بالقرآن ہے اور لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا و عُمْيَانًا اور افلا تعقلون، افلا تشعرون، افلا تعلمون ---------- کی بہترین مثال ہے۔ اندھی تقلید سے دامن بچانا خاصا مشکل کام ہے اور وہ اِس میں کیا گیا ہے۔ صحابہِ کرام کے بعد آنے والے بزرگوں کے گرد بھی احترام کے ہالے تو ضرور موجود رہنے چاہئیں مگر آنکھوں کا نور چھین لینے والے دبیز پردے نہیں۔ تفاسیر لکھنے کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا اور اگر سابقہ تفاسیر میں قیل و قال سے اِدھر اُدھر نہیں ہونا تو پھر نئی تفسیر لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آج انسان پر علم کے وہ وہ گوشے آشکارہ ہو رہے ہیں جن کا ماضی میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا اور یہ کہ قرآن کے خادم کے لئے علم کے اِن گوشوں کو بھی پیش کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ قرآن میں اوامر و نواہی تو ابتداء ہی سے واضح اور دوٹوک الفاظ میں موجود ہیں لیکن وہ آفاقی حقائق جو اوامر و نواہی سے تعلق

نہیں رکھتے، زمانۂ نزول سے اب تک کُھلتے چلے جا رہے ہیں اور قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ صحابہؓ کرام نے قرآن کے احکامات کو سمجھا، جن کاموں سے رُوکے گئے، رُک گئے، جن کے کرنے کا کہا گیا، اپنا لئے اور قرآنی ہدایات کو اپنی زندگی کا معمول بنالیا۔ جو آفاقی حقائق اُس وقت کے انسان کی سمجھ سے ماوراء تھے لوگ اُن کے بارے میں سوالات اُس وقت بھی پوچھتے رہتے تھے جن سے منع کیا گیا کہ لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔ کہ وہ اگر تمہیں بتا بھی دیئے جائیں تو اِس وقت وہ باتیں اَنہونی، اَنوکھی اور ناگوار لگیں گی جبکہ اپنے وقت پر وہ خود بخود کھلتی جائیں گی۔ چنانچہ انفس و آفاق میں نشانیاں دکھائی جارہی ہیں اور نئے نئے اِسرار کائنات کھلتے جاتے ہیں تو قرآن کی کئی مزعومہ (نہ کہ حقیقی) متشابہات محکمات کا درجہ حاصل کرتی جاتی ہیں اور بہتوں کا ایمان بالغیب گویا ایمان بالمشاہدہ میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔

- زندہ مصنف کی کسی کتاب کا ترجمہ کرنا ایک لحاظ سے آسان ہوتا ہے اِس لئے کہ کبھی تو مصنف کی نظر سے گزر جائے گا۔ زیرِ نظر ترجمہ بھی کبھی نہ کبھی مفسر کی نظر میں آ ہی جائے گا، میں نے جہاں جہاں اُن کی ٹھیک ترجمانی نہیں کی اُمید ہے disown کرکے اس کی تصحیح فرمادیں گے۔ مگر اپنی خواہش میں ایک مرتبہ پھر دہراتا ہوں کہ یہ ایک آفاقی تفسیر ہے، پشتو بولنے والوں کے محدود حلقے سے نکل کر زیادہ لوگوں کے لئے قابل فہم بن جانی چاہیے تاکہ انگریزی میں اِس کے ترجمے کے امکانات بڑھ جائیں (اگرچہ ترجمہ کبھی بھی مطابقِ اصل نہیں ہوتا اور پھر غیر اہلِ زبان کے قلم سے تو بالکل بھی نہیں ہوتا) اور یوں اُن لوگوں تک یہ امانت پہنچائی جاسکے جنکی فی الواقع یہ (امانت) ہے۔ امانت ہوتی ہی دوسروں کی ہے مگر یہ امانت ایسی حالت میں ہماری (custody) میں دی گئی ہے کہ جن کی ہے اُنہیں علم ہی نہیں کہ ہم نے اُن کی کوئی چیز اُنہیں دینی ہے۔ بہر حال ہم سے تو پوچھا جانا ہے ہی کہ کیا میری امانت پہنچادی: فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ (۴۰) الرعد۔

اگرچہ اِس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے مترجم اتفاق نہیں کرتا مثلاً اپنے موقف سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں پر سختی سے نکیر یا پھر بعض وقتی اور علاقائی ایشوز کو زیرِ بحث لانا۔ اِن سے تفسیر کی آفاقیت کو بھی ایک گونہ گزند پہنچی ہے مگر اِس طرح اِس کا ایک اور پہلو کھل کر سامنے آگیا ہے جو کہ قابلِ تعریف ہے اور وہ ہے مفسر کی یکسوئی اور اُس کا یقین۔ بقولِ اقبال:

یقین افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

اور یہ کہ:

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

- اہلِ زبان نہ ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ سب دوستوں نے مل کر نہ صرف پروف ریڈنگ میں اپنا حصہ ڈالا بلکہ ساتھ ہی ساتھ اردو کی تصحیح بھی کر ڈالی۔ یوں محمد اسلام صاحب کے حصے کے کام میں بھی ہاتھ بٹا گئے اور مجھے بھی پشتو پڑھ ڈالنے کے علاوہ کوئی زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ فرداً فرداً سب کا نام کیا لینا اللہ کے ریکارڈ میں درج ہو ہی گیا ہو گا۔

محترم قارئین! آپ نے قرآن کی کرنیں پڑھنے کا ارادہ کر لیا ہے میری دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ کو قرآن سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگرچہ قرآن کے معیت میں جو بھی وقت گزارا جائے وہ پیش قیمت قرار پاجاتا ہے تاہم جن لوگوں کا ہدف ثواب کے ساتھ ساتھ فہم قرآن کا مقصد پورا کرنا بھی ہوتا ہے اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ: قرآن کی کرنیں کا مطالعہ کرتے وقت وہ اِس کا پیش لفظ "چند مقدماتی باتیں" بھی ضرور پڑھ لیں۔ چاہے اُن کے پیش نظر کوئی ایک ہی سورت یا کسی ایک چھوٹے حصے کا مطالعہ کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

والسلام

مترجم